نجم الاسلام:

دیوانِ غمگین کس غمگین کا ہے؟

مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور کے سلسلۂ مطبوعات کی ۱۱۴ ویں کتاب " دیوانِ غمگین " ہے ، جو ماہ جولائی ۱۹۹۴ء میں طبع ہو کر سامنے آئی ہے - دیوان بصورتِ عکس چھاپا گیا ہے جس کی ایک فوٹو کاپی جناب محسن برلاس رامپوری مقیم لاہور کو مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری کی نشان دہی پر ، اپنے بھائی مرزا مصطفےٰ حسن مقیم رامپور کی سعی و کوشش سے ، رامپور سے حاصل ہوئی تھی۔

مولانا عرشی پہلے عالم ہیں جنھوں نے دیوان کے اس قلمی نسخے کو دیکھا اور مولوی مرزا عبدالقادر رامپوری متخلص بہ غمگین (صاحب وقائع عبدالقادر خانی) کے دیوان کی حیثیت سے شناخت کیا ، اور جب محسن برلاس اپنے سفر رامپور (۱۹۷۵ء) کے دوران مولانا عرشی سے ملے تو نہ صرف یہ خبر دی کہ ان کے پردادا کے بزرگ عبدالقادر غمگین کا دیوان رامپور میں ایک صاحب کے پاس ہے ، بلکہ یہ ترغیب بھی دی کہ اس دیوان کو حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کو طبع کرانے کا انتظام کریں تاکہ ادبی دنیا ایک قابلِ قدر اور اہم مجموعۂ کلام سے روشناس ہو سکے۔

مولوی عبدالقادر رامپوری کی ممتاز و معزز علمی شخصیت فضلائے رامپور کے لیے خصوصی طور پر باعثِ کشش رہی ہے ، تو کہ انھوں نے اپنے سسرالی شہر مراد آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی مگر زندگی کے آخری ایام رامپور ہی میں گزرے اور وہیں وفات پائی۔

" انتخاب یادگار " میں امیر مینائی نے اطلاعاً لکھا تھا کہ کلیات ان کا (غمگین کا) گم ہو گیا - وہ عبدالقادر غمگین کے کلیات کو خود دیکھنے کے مدعی نہیں تھے ، اور یہ بھی انھوں نے نہیں بتایا کہ کلیات مرتب ہونے کی اور پھر گم ہو جانے کی اطلاع کا مأخذ کیا ہے - شعرائے اردو کے بہت سے تذکروں میں عبدالقادر غمگین کا ذکر موجود ہے اور چند اشعار بھی نمونۂ کلام کے طور پر ملتے ہیں ، مگر کلیات کے مرتب ہونے اور پھر گم ہو جانے کا ذکر کسی اور جگہ نہیں آیا۔

بہر کیف ، فضلائے رامپور امیر مینائی کی فراہم کردہ اس اطلاع سے بخوبی واقف تھے۔

جب محسن برلاس مقیم لاہور ۱۹۷۵ء میں اپنے اعزہ سے ملنے رامپور گئے ہوئے تھے تو انھیں مولانا امتیاز علی خاں عرشی کی زبانی معلوم ہوا کہ دیوان غمگین کا قلمی نسخہ رامپور کے ایک لیکچرر جناب لطیف کے پاس ہے- اس کی دریافت کی روداد خاصی دل چسپ ہے ، اس لیے نذر ناظرین کی جاتی ہے۔

عرشی مرحوم نے جناب محسن برلاس کو بتایا:

(قول عرشی بروایت محسن) "آپ کے پردادا مرزا غلام باسط کے بڑے بھائی مولوی مرزا عبدالقادر غمگین کا اردو دیوان ، ماسٹر لطیف صاحب نبیرہ مولوی منور علی صاحب محدث مجھے دکھانے کے لیے چند ماہ ہوئے لائے تھے اور پوچھتے تھے کہ یہ کس کا دیوان ہے۔ غمگین صاحب کون تھے؟ میں نے اس کو غور سے دیکھا اور کچھ حصے پڑھے ، رباعیات فارسی بھی پڑھیں۔ میں نے ان کو بتایا کہ اس کا تعلق محسن برلاس صاحب کے خاندان سے ہے۔ ان کے پردادا مرزا غلام باسط کے بڑے بھائی مولوی مرزا عبدالقادر مرحوم مصنف روزنامچہ شاعر بھی تھے۔ اور ان کا تخلص غمگین تھا۔ ان کا یہ دیوان ہے ، جیسا کہ رباعیات فارسی جو دیوان کے آخر میں شامل ہیں ، کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے۔"

(دیوان غمگین : پیش لفظ از محسن برلاس)

پھر مولانا عرشی نے جناب محسن برلاس کو مشورہ دیا کہ اس دیوان کو حاصل کرنے کی کوشش اور طبع کرانے کا انتظام کریں ۔ اس مشورے پر جناب محسن نے بخوبی عمل کیا۔

پہلے انھوں نے اپنے اطمینان اور مزید ثبوت کی خاطر ، لطیف صاحب سے رابطہ کیا۔ وہ اس خاندان کو بچپن سے جانتے تھے اور وہاں قرآن شریف پڑھا تھا۔ دیوان کو دیکھا اور اس کے کچھ حصے پڑھے۔ اس میں ایک رباعی دیکھی جو بقول محسن مولوی مرزا عبدالقادر نے اپنی بہن امۃ الفاطمہ کے غم میں کہی تھی جن کا انتقال ہو چکا تھا اور مولانا جمال الدین لاہوری مقیم رامپور کے فرزند مولوی فخرالدین سے منسوب تھیں۔ اس رباعی سے ، بقول محسن ثابت ہو گیا کہ دیوان مولوی عبدالقادر ہی کا ہے۔

محسن صاحب نے جناب لطیف سے استدعا کی کہ دیوان انھیں عنایت کر دیا جائے ، تاکہ اسے طبع کرایا جا سکے ، لیکن لطیف صاحب نے انکار کر دیا۔ اپنی غرض باولی ، ہمارے محترم محسن برلاس صاحب نے (مرحوم کلب علی خاں فائق رامپوری کی مہربانی سے راقم کو بھی محسن صاحب سے لاہور میں شرف نیاز حاصل ہو چکا ہے۔) لطیف صاحب کو یہاں تک بتایا کہ :

"ان کے نانا مولوی منور علی صاحب محدث سے میرے دادا مرزا محمد حسن صاحب کے بہت مراسم تھے اور باہم مضبوط دوستی تھی۔ دادا مرحوم نے وصیت کی تھی کہ ان کے ذخیرہ کتب کا زیادہ حصہ مولوی منور علی صاحب کو دے دیا جائے ۔ اغلب کہ جب کتابیں مولوی صاحب کو دے دی گئیں ، یہ دیوان بھی جو میرے دادا کے پاس تھا غلطی سے ان کتب میں شامل ہو کر وہاں آ گیا ، جس کا علم میرے والد مرزا محمد احسن صاحب مرحوم کو نہ ہو سکا۔"

(پیش لفظ : صفحہ ب)

لطیف صاحب نے اس (دعوائے ملکیت) پر بھی غور نہ کیا۔ محسن صاحب نے مناسب قیمت بھی دینا چاہی مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ پھر محسن صاحب واپس لاہور آ گئے اور پاکستان واپس آتے وقت اپنے بڑے بھائی مرزا مصطفیٰ حسن صاحب سے جو رامپور میں رہتے تھے کہہ آئے کہ آپ کوشش کرتے رہیں کہ دیوان مل جائے۔ ان کی چند سال کی کوشش سے اتنا ہوا کہ ایک فوٹو کاپی مل گئی جسے مینائی خاندان کے ایک فرد نے محسن صاحب کو بھیجدیا۔

اس کے بعد ، جیسا کہ محسن صاحب نے اپنے پیش لفظ میں صراحت فرمائی ہے ، انھوں نے ڈاکٹر وحید قریشی کی قدردانی کے سبب سے اپنے پیش لفظ اور مقدمے کے ساتھ اس دیوان کو بصورت عکس ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور کی طرف سے شائع کرایا ہے۔ اس وقت اکیڈمی کے معتمد عمومی ڈاکٹر وحید قریشی تھے۔ " عرض ناشر " کے عنوان سے کتاب کے شروع میں ڈاکٹر صاحب محترم کی ایک مختصر تحریر بھی ہے جو صاحب دیوان ، دیوان اور مقدمہ نگار کے حق میں مختصر کلمات پر مشتمل ہے۔

(۲)

ایک چیز جو دیوان اور اس کے متعلقات کے مطالعے کے بعد کھٹکتی ہے ، وہ یہ ہے کہ دیوان سے عبدالقادر غمگین کے تعلق کی بحث اور تحقیق ، جیسی کچھ کہ بالاستیعاب مطالعے کے بعد چاہیے تھی ، ابھی تک اس کی نوبت نہیں آ پائی ہے - بلا شبہہ مولانا عرشی اپنے وقت کے بلند پایہ فضلاء میں سے تھے ، لیکن وہ دیوان کے صرف کچھ حصے دیکھ سکے تھے۔ یہی صورت جناب محسن برلاس کی تلاش کی رہی۔ وہ بھی قیام رامپور میں اصل نسخے کے کچھ حصے ہی دیکھ سکے۔ پھر جب انھیں دیوان کی عکسی نقل موصول ہو گئی تو دیوان کا مطالعہ تمام و کمال نہیں فرمایا اور نہ اس کا مبیضہ اپنے ہاتھ سے تیار کرنے کی زحمت فرمائی ، بلکہ بعجلت تمام اپنے مختصر پیش لفظ ، شجرہ نسب ، اور مقدمے کے ساتھ عکسی نقل ہی اشاعت کے لیے ناشر کو پیش کر دی - اور ناشر نے مذکورہ بالا متعلقات کے ساتھ ، دیوان کا متن بصورت عکس ، چھاپ دیا۔

اس لیے دیوان سے مولوی عبدالقادر رامپوری کے تعلق کا جائزہ لینے کے لیے پورے دیوان پر نظر ڈالنے کی ضرورت ابھی باقی ہے۔ ذیل میں اس نوعیت کا ایک مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۳)

دیوان کا عکسی متن پورے ۵۰۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے آغاز و اختتام پر کوئی عبارت ایسی نہیں ملتی جو بصراحت بتائے کہ یہ کس غمگین کا کلام ہے ، البتہ غزلیات (ص ۱ تا

۴۴۴) میں تخلص غمگین ہر مقطعے میں موجود ہے، بلکہ بعض بعض مقامات پر تو مطلعوں اور حد تو یہ ہے کہ درمیانی اشعار میں بھی آیا ہے جو ایک نادر بات ہے۔

آغاز دیوان کی عبارت یہ ہے:

"لباس الفاظ زیر قلم آوردن نہ غرض شعراء بلکہ برای تسلی خاطر عاشقان حقیقی و مجازی از بطون بظہور آوردہ کہ اگر مطابق واقعہ ایشاں باشد ذوقے و شوقے حاصل کنند و از حمد و نعت بر تجلی حظے بردارند ہیہات ہیہات زبان حال محال ـ"

بظاہر یہ عبارت مجروح ہے - گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس سے قبل کا ورق شاید ضائع ہو چکا ہے - تاہم، غزلیات کی حد تک دیوان مکمل ہے، صفحہ ۴۶۲ پر آخری غزل کے بعد "تمت تمام شد" کی صراحت موجود ہے- پھر بلا عنوان فردیات (ص ۴۶۳ تا ۴۶۶)، ابیات و قطعات تاریخ (ص ۴۶۷ تا ۴۷۱)، چھے مخمسات (ص ۴۷۱ تا ۴۸۳)، چھیاسی رباعیات (ص ۴۸۳ تا ۵۰۰) اور آخر میں دو مزید قطعات تاریخ (ص ۵۰۰) درج ہیں- آخری قطعے کے مادۂ تاریخ سے سنہ ۱۲۶۳ ہجری مستخرج ہوتا ہے-

دیوان کے ایک سرسری مطالعے سے بھی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ:

۱- شاعر نہایت قادرالکلام اور کثیرالکلام ہے، اور جیسی پختگی کثیرالکلامی سے آ جاتی ہے، اس کو بخوبی حاصل ہے-

۲- وہ کثرت کے ساتھ دو غزلے، سہ غزلے، بلکہ قوافی بدل بدل کر چہار غزلے تک کہنے کا عادی ہے-

۳- خمریات سے خاص شغف ہے، اور جیسا کہ دیوان کے آغاز کی عبادت میں صراحت آتی ہے، کلام عاشقانِ حقیقی و مجازی، دونوں کے حسبِ حال ہے - وہ تصوف کے دقیق نکات نظم کرتا ہے جس سے اس کا صاحبِ حال ہونا ظاہر ہے، مگر کچھ انداز ملامتیہ کا بھی ہے-

۴- متعدد غزلیں غالب کی معروف زمینوں میں ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالب سے شاعر کو کسی نوع کا تعلق ضرور تھا - مصرعہاے آغاز پیش کیے جاتے ہیں:

نہ مغنی ہوں میں نہ مطربِ ساز (ص ۱۴۱)

کون بیٹھا ہے شبِ ہجر سحر ہونے تک (ص ۱۷۹)

دوئی دور کر کر جو ہم دیکھتے ہیں (ص ۲۱۶)

وہ نہ یہ بندِقبا باندھتے ہیں (ص ۲۲۷)

پھر وہی نالہ اور زاری ہے (ص ۳۳۹)

گر یہی دل کو بیقراری ہے (ص ۳۴۲)
نہ تو گریہ نہ اور زاری ہے (ص ۳۴۳)
نفع نقصاں سب برابر (...) ہمارے دل میں ہے (ص ۳۸۷)
جاناں کے آہ آنے کی یہاں دل کو آس ہے (ص ۳۸۸)
صرف مجکو عشق تیرا چاہیے (ص ۳۹۲)
کیا حسن ہے وہ آہ وہ کیسا جمال ہے (ص ۳۹۸)
بے پردہ روبرو مرے اس کا جمال ہے (ص ۳۹۹)
ہر طرح سیرِ مہ مجھے ساقی محال ہے (ص ۴۰۰)
ہے گلہ مند اودھر بلبل دستاں مجھ سے (ص ۴۰۴)
حسرتا خوش جو نہیں وہ لبِ خنداں مجھ سے (ص ۴۰۵)
مر گئے مت پوچھ شب کی بیقراری ہائے ہائے (ص ۴۱۷)
اوس کا نشانہ جب سے مرا استخوان ہے (ص ۴۳۸)
واعظ یہ مے کدے کا مرے آسمان ہے (ایضاً)
واعظ کمالِ شرع کا ہم کو بھی پاس ہے (ص ۴۵۰)
ہر ایک دم میں غیب سے مجکو سروش ہے (ایضاً)

جب کہ یادگار غالب کے حوالے سے ، ہم جانتے ہیں کہ مولوی عبدالقادر رامپوری کا تعلق غالب کے ساتھ احترام اور دوستی کا نہیں ، استہزاء کا تھا - وقائع عبدالقادر خانی سے بھی ، کم سے کم لاتعلقی ضرور جھلکتی ہے- مولوی عبدالقادر رامپوری کو ورود و قیام دہلی کا اتفاق کئی بار ہوا جس کی تفصیل وقائع عبدالقادر خانی (اردو ترجمہ موسومہ "علم و عمل") میں ملتی ہے - وہ علمائے دہلی اور مشائخ دہلی کے علاوہ معاصر شعرائے دہلی کا ذکر بھی کرتے ہیں- ان میں بالترتیب شاہ نصیر دہلوی ، سعادت یار خاں رنگیں ، رضی دہلوی ، مومن دہلوی ، وافی دہلوی ، مفتی صدرالدین آزردہ اور صہبائی کا ذکر ہے- غالب کا ذکر نہیں ہے-

غرض کہ سرسری مطالعے سے بھی ایک شک ذہن میں ابھرتا ہے کہ یہ شاعر ، عبدالقادر غمگین کے علاوہ کوئی اور غمگین بھی ہو سکتا ہے-

(۴)

تین غمگین

شعرائے اردو کے پندرہ سولہ تذکروں میں غمگین تخلص کے تین مختلف، قابل ذکر و قابل توجہ شعراء کا ذکر آتا ہے جن میں سے کوئی ایک، دیوان غمگین کا مصنف ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

○ میر سید علی غمگین دہلوی - ان کا ذکر عیار الشعراء، مجموعہ نغز، گلشن بے خار، طبقات الشعرائے ہند، گلشن ہمیشہ بہار، سخن شعراء اور شمیم سخن میں آتا ہے - مختصر حال، جیسا کہ سخن شعراء میں آیا ہے، یہ ہے:

"غمگین تخلص، میر سید علی خلف سید محمد دہلوی برادر شاہ نظام الدین قادری ناظم صوبہ دہلی، شاگرد سعادت یار خاں رنگیں۔"

○ مولوی مرزا عبدالقادر خاں رامپوری متخلص بہ غمگین - ان کا ذکر گلستان سخن، سخن شعراء، شمیم سخن، انتخاب یادگار اور بزم سخن میں آیا ہے - فاضل بے بدل تھے - اس لیے دیگر منابع میں بھی ذکر آتا ہے - ان کی "وقائع عبدالقادر خانی" کا اردو ترجمہ "علم و عمل" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ مختصر حال سخن شعراء سے اخذ کرکے پیش کیا جاتا ہے، جو یہ ہے:

"غمگین تخلص، مولوی عبدالقادر خاں بہادر متوطن رامپور، صدر الصدور مرادآباد، فاضل بے بدل تھے، گاہ گاہ فکر شعر کرتے تھے - بعض تذکرہ والوں نے ان کا قادر تخلص لکھا ہے۔"

صاحب سخن شعراء لکھتے ہیں کہ گاہ گاہ فکر شعر کرتے تھے، مگر امیر مینائی نے "انتخاب یادگار" میں لکھا ہے کہ کلیات ان کا گم ہو گیا، جس سے ظاہر ہوا کہ کلیات مرتب کر لیا تھا، مگر خود عبدالقادر رامپوری نے اپنے وقائع میں اپنی ۲۳ تالیفات و تصنیفات کی جو فہرست درج کی ہے، اس میں کلیات کا ذکر نہیں آتا، اسی طرح ان کے پوتے مرزا نصیرالدین کی "وقائع نصیر خانی" (علم و عمل جلد دوم) بھی اس کی اطلاع سے خالی ہے - اور یہ ذکر بھی کہیں نہیں آتا کہ مولوی عبدالقادر اپنی عمر کے کسی حصے میں کثرت سے شعر گوئی کی طرف مائل رہے ہیں۔

○ میر عبداللہ غمگین دہلوی خلف اصغر میر حسین تسکین دہلوی - ان کا ذکر گلستان سخن، سخن شعراء، شمیم سخن، انتخاب یادگار، بزم سخن اور طور کلیم میں آتا ہے - یہ میر عبدالرحمٰن دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے جو حکیم مومن خاں مومن کے منہ بولے بیٹے اور دیوان مومن کے مرتب تھے۔ یہ وطناً دہلوی تھے مگر رامپور میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ رامپور میں نوجوانی میں انتقال کیا - ان کا ذکر "انتخاب یادگار" میں امیر مینائی نے اس طرح کیا ہے:

"غمگین، میر عبداللہ ابن میر حسین تسکین دہلوی - یہاں (رامپور میں) عدالت میں برسوں نوکر رہے - اپنے والد سے تلمذ تھا - تیئیس برس کی عمر ہوئی۔ ساتویں ذی حجہ کو بارہ سو چھیاسٹھ ہجری ۱۲۶۶ھ میں قضا کی مقبرہ نواب احمد علی خاں بہادر میں مدفون ہوئے ---"

کلیات مرتب ہونے کی اطلاع کہیں نہیں ملتی۔ ۲۳ کی مختصر عمر میں اس کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔

دیوان غمگین کے بس یہی تین ممکنہ دعوے دار ہو سکتے ہیں جن کا مختصر حال، فرق و تمیز کے لیے اوپر پیش کیا گیا ہے۔ ان ضروری بنیادی معلومات کے بعد، اب دیوان کے متن کی چھان بین کی جانی چاہیے، تاکہ داخلی شواہد کی مدد سے صاحب دیوان کا تعین کیا جا سکے۔

(۵)

داخلی شواہد:

دیوان میں بکثرت ایسے حوالے آتے ہیں جو صاحب دیوان کے حالات کا پتا دیتے ہیں۔ ان کی بنیاد پر شاعر کی شناخت بخوبی ہو سکتی ہے۔ اور معلوم کیا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا تین غمگینوں میں سے دیوان غمگین کا مصنف کون ہے۔ ذیل میں ان شخصی حوالوں کو یکجا کرنے اور شاعر کو ان کی بنیاد پر شناخت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۱۔ آغاز دیوان کی جو مجروح عبارت ("لباس الفاظ --- زبان حال محال) اوپر نقل کی گئی ہے، ظاہر کرتی ہے کہ شاعر صاحب حال ہے اور عاشقانہ طرز کلام رکھتا ہے۔ اس کا کلام عاشقان حقیقی و مجازی کی تسلی کی خاطر کے لیے وجود میں آیا ہے۔

یہ شہادت مولوی عبدالقادر غمگین پر مطلق صادق نہیں آتی - وہ علوم عقلیہ کے ماہر ہیں وہ میدان تصوف کے جادہ پیما ہیں ہی نہیں، بلکہ جیسا کہ ان کی خود نوشت "وقائع عبدالقادر خانی" سے ظاہر ہے وہ ایک شک کے ساتھ اہل تصوف کو دیکھتے ہیں - وہ جہاں جاتے ہیں نام نہاد صوفیوں کا پردہ، تحقیق حال اور تجسس کے ساتھ، چاک کرنے میں سرگرم نظر آتے ہیں، بلکہ کہیں کہیں تو تو طنز و استہزا کی اوبہانہ نفرتیت انتہا کو پہنچ جاتی ہے، چنانچہ شاہ برکت اللہ مارہروی کے دو بیٹوں کے زمانے میں خانقاہ مارہرہ کی زیارت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"(ترجمہ) بہت سے لوگوں کی زبانی وہاں کے بزرگوں کی تعریف سن چکا تھا کہ

وہاں دو بزرگوار ہیں ، ایک کو بڑی سرکار اور دوسرے کو چھوٹی سرکار کہتے ہیں اور ان دونوں کا اختلاف ہندو مسلم اختلاف سے بھی زیادہ ہے ، چنانچہ میں گیا اور دونوں کی زیارت کی اور اس قدر برکتیں حاصل کیں کہ دوبارہ وہاں جانے کی ضرورت نہ رہی - شعر

مشتاق صدم تا بہ در شیخ رسیدم
آں یافتم آنجا کہ بمیخانہ ندیدم"

(علم و عمل ، ص ۹۱ ، ۹۲)

مولوی عبدالقادر رامپوری نے وقائع عبدالقادر خانی میں تصوف کی حقیقت پر اظہار خیال کیا ہے (ملاحظہ ہو "علم و عمل ص ۲۶۶ تا ۲۶۹) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کی حقیقت ان کے نزدیک تزکیے میں ہے نہ کہ قرب الیٰ اللہ میں- "یہ لوگ یعنی گروہ صوفیہ اخلاق حسنہ کو طبعی اور مذمومہ کو مرض سمجھتے ہیں - یہ ملکات فاضلہ کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ کوشاں رہتے ہیں ، ایسے لوگ ہر مذہب و ملت میں ہوتے ہیں-" (ایضاً ص ۲۶۶) - مگر ان سب تصریحات میں مولوی عبدالقادر رامپوری وحدتِ وجود ، وحدتِ شہود ، قرب الیٰ اللہ ، رویتِ الہٰی ، فنا ، بقا جیسے معاملات و مسائل کو کہیں درمیان میں نہیں لاتے اور اپنے پسندیدہ تصورِ تصوف کا حصہ نہیں بناتے - واضح رہے کہ یہاں تصوف کی حقیقت پر بحث مقصود نہیں - بلکہ یہ دکھانا ہے کہ مذکورۂ بالا تصوف سے دیوانِ غمگین خالی ہے ، اور اس کے برعکس ، جن معاملات و مسائلِ تصوف کو ایک عقلیت پسند عالم ہونے کی حیثیت سے مولوی عبدالقادر ذکر میں نہیں لاتے ، دیوانِ مذکور ان سے مملو ہے-

اب مولوی عبدالقادر رامپوری کے مقابلے میں ، میر سید علی غمگین دہلوی کو لیجیے - وہ خود ایک مشہور صوفی ہیں ، "حضرت جی" کے لقب سے مشہور ہیں ، اپنے وقت کے ایک مشہور صوفی میر سید محمد دہلوی کے فرزند ہیں جن کا ذکر وقائع عبدالقادر خانی میں معاصر مشائخ دہلی کے ذیل میں آتا ہے- اور مرقع دہلی میں بھی ان میر سید محمد کی جلالت نسب و حسب ، کمال فقر و غنا ، اعلائے کلمہ الحق با سلاطین و امراء ، ترک منصب اور بے نیازی کی تعریف کی گئی ہے - میر سید علی کی دادی خواجہ باقی باللہؒ کی پڑپوتی تھیں- میر سید علی نے ابتداء میر فتح علی گردیزی دہلوی سے بیعت کی تھی پھر ایک عرصہ شعر و شاعری میں اپنے استاد سعادت یار خاں رنگیں کے طریقے پر رنگینیوں میں گزاری ، بالآخر ترک وطن کر کے گوالیار میں سکونت اختیار کر لی اور عظیم آباد کے شاہ ابوالبرکات اور ان کے صاحبزادے شاہ ابوالحسین سے روحانی فیوض حاصل کیے- غرض کہ وہ (میر سید علی) اور ان کا خاندان جلیل القدر مشائخ سے تعلق رکھتا ہے-

اب رہے تیسرے غمگین ، یعنی میر عبداللہ غمگین ، تو اول تو انھوں نے عمر بہت کم پائی یعنی صرف ۲۳ سال ، جو ایک ضخیم دیوان کی تسوید اور جمع و ترتیب کے لیے نہلت کم ہے ، دوسرے ان کے کسی سلسلہ تصوف سے منسلک ہونے اور اسرار سلوک سے آگاہ ہونے کی کوئی شہادت بھی نہیں - ان سب امور پر نظر کرکے یہ نتیجہ نکالنا بے جا نہ ہو گا کہ دیوان کے سر نامے اور کلام میں حسب حال مضامین تصوف کے اعتبار سے دیوان غمگین سے میر سید علی غمگین کا تعلق زیادہ قابل قبول قرار پاتا ہے-

۲- دیوان میں شاعر نے اپنے عہد پیری کا حوالہ بکثرت دیا ہے ، جس سے صاف ظاہر ہے کہ پیری کی عمر کو پہنچنا اسے نصیب ہوا ہے ، ملاحظہ ہوں وہ اشعار:

○ باوصف پیری اپنے سے میں بدگماں ہوا
غمگین دو چار ہوتے ہی اس نوجواں سے آج (ص ۱۰۵)

○ نوجوانوں کی سی آ جاتی ہے پیری میں امنگ
دیکھتا غمگیں ہوں جب اس کی جوانی کی طرح (ص ۱۰۷)

○ پیری میں چاہیے رہے مے کا نشہ چڑھا
اب نشہ جوانی ہے غمگین اوتار پر (ص ۱۲۴)

○ شاہد میں اور مے میں گزرے ہے اب یہ پیری
کاٹی جوانی ہم نے ہر چند اتقاء میں (ص ۱۳۵)

○ کہے ہے پیری میں غمگین کہ ہو جیے عاشق
نظر پڑے ہے جب اوس کے وہ نوجوان عزیز (ص ۱۴۱)

○ پیری میں اک جواں سے ہے وابستگی ہمیں
مشہور شیخ جی ہے یہ پیر و جواں تلک (ص ۱۸۱)

○ پیری میں جو یہ رنج اوٹھانے پڑے ہمیں
اے کاش دیکھتے نہ اوسے ہم شباب میں (ص ۲۸۳)

○ جو جوانی میں طرح تھی غمگین
وہ ہی پیری میں اب ہماری ہے (ص ۳۴۰)

○ تجھے کچھ رحم اپنے پر نہیں آتا ہے اے غمگیں
کہ اس پیری میں ایسے نوجواں سے دل لگاتا ہے (ص ۳۵۷)

○ شراب ارغوانی کی، جوانوں کو تعجب ہے

ہوس غمگیں ہے پیری میں بھی پینے اور پلانے کی (ص ۳۸۲)

ان اشعار سے ، جو پورے دیوان میں پھیلے ہوئے ہیں، بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ شاعر بالیقین عہد پیری کو پہنچا ہے ، بلکہ کہنا چاہیے کہ دیوان عہد پیری کا ہے- ان اشعار کی موجودگی میں دیوان کی دعوے داری کے قضیے سے میر عبداللہ غمگین کو خارج کیا جاتا ہے جو نوجوانی ہی میں وفات پا گئے تھے -اب دیوان پر دعوے داری کا قضیہ صرف مرزا عبدالقادر غمگین اور میر سید علی غمگین کے مابین رہ جاتا ہے-

۳- ایک نہایت مستحکم داخلی شہادت ان دونوں دعوے داروں کے مابین نسب کے فرق کی ہو سکتی ہے- مولوی مرزا عبدالقادر رامپوری نسباً امیر تیمور گورگان کی نسل سے ہیں ، قوم برلاس سے ہیں - ان کا شجرہ نسب امیر تیمور گورگان (۷۳۶ ھ - ۸۰۷ ھ) سے شروع ہو کر مرزا غلام باسط (رام پور) کی اولاد میں مرزا محمد محسن برلاس (لاہور) اور مولوی مرزا عبدالقادر رامپوری (۱۱۹۵ ھ - ۱۲۶۵ ھ) کی اولاد میں مرزا نصیرالدین محمد (مرادآبادی) صاحب وقائع نصیر خانی (۱۲۵۲ ھ - ۱۳۲۷ ھ) تک جناب مرزا محسن برلاس نے دیوان غمگین پر اپنے مقدمے سے قبل درج کیا ہے- غرض کہ مولوی عبدالقادر غمگین کی میرزائیت شک اور شبہے سے بالاتر ہے-

اب میر سید علی غمگین دہلوی کو لیجیے- ان کی سیادت بھی ایک معلوم و مشہور بات ہے - ان کے والد میر سید محمد کی جلالت حسب و نسب کے مقر صاحب " مرقع دہلی " نواب درگاہ قلی خاں ہیں- شعرائے اردو کے تذکروں میں میر سید علی غمگین کا ، مشائخ کے ذیل میں ان کے والد میر سید دہلوی کا ، اور مغلوں کے عہد زوال کی تاریخوں میں ان کے والد کے حقیقی بڑے بھائی سید نظام الدین احمد شاہ کا ذکر آتا ہے جو مرہٹہ گردی کے زمانے میں ناظم دہلی رہے تھے-

میر سید علی غمگین کے مورث اعلیٰ سید مہدی (م ۱۰۹۰ ھ) ایران سے ہندوستان آکر برہان پور میں مقیم ہوئے تھے- میر سید علی کے دادا میر سید احمد برہان پور سے دہلی پہنچے -یہاں خواجہ باقی باللہ کی پڑپوتی سے نکاح ہوا- دو صاحبزادے سید نظام الدین احمد شاہ اور میر سید محمد پیدا ہوئے- ایک نے ناظم دہلی کی حیثیت سے مشکل وقت میں کارہائے نمایاں انجام دیے ، دوسرے یعنی میر سید محمد نے شیخ طریقت کی حیثیت سے امتیاز پایا -یہی دوسرے بیٹے میر سید علی غمگین کے والد ہیں - غرض کہ اس خاندان کی سیادت مسلم ہے- اور جہاں تک میر سید علی کا تعلق ہے وہ نجیب الطرفین سید ہیں ، یعنی والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی-

اب دیکھنا چاہیے کہ صاحب دیوان کے نسب کے بارے میں داخلی شہادتیں کیا بتاتی ہیں- اس سلسلے میں دیوان کی چھان بین سے حسب ذیل امور سامنے آتے ہیں:

(الف) ردیف الف کی ایک غزل میں یہ شعر آتا ہے-

کیوں تو نہ کرے شہید کافر ہوں خلف حسین اور حسن کا

میر سید علی والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی سید ہیں۔ اس لیے یہ شعر بدرجہ اتم ان پر صادق آتا ہے۔

(ب) ردیف ی کی ایک غزل میں بھی ایسا ہی شعر آتا ہے جس میں شاعر نے خود کو اولاد علیؑ میں سے بتایا ہے۔

ہو مثل خاک ، آتش غصہ سے کر حذر
جد مجید غمگیں ترا بوتراب ہے

یہ دونوں اشعار کی موجودگی میں محکم طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ صاحب دیوان میر سید علی غمگین ہیں جن کی سیادت مسلم ہے۔

۴۔ وطنی نسبت سے بھی شخصیتوں کا فرق و امتیاز قائم ہوتا ہے۔ اس حوالے سے بھی داخلی شہادتیں دیکھی جانی چاہییں۔

مولوی عبدالقادر نے مختلف ملازمتوں کے سلسلے میں بنگال سے راجپوتانے تک بڑی سیر کی ہے ، مگر مولد رامپور ہے اور بزرگوں کا اور خود کا وطن بھی رامپور ہے ، وطن ثانی قریبی شہر مرادآباد ہے ، جہاں ان کی سسرال تھی ، آخر عمر میں پھر رامپور میں قیام اختیار کیا ، یہیں وفات پائی۔

اب وطن کے حوالے سے میر سید علی کے احوال پر نظر ڈالتے ہیں۔ ان کے جدامجد برہان پور سے دہلی آئے تھے - وہ دہلی میں پیدا ہوئے ، پلے بڑھے۔یہیں تعلیم پائی ، یہیں جوانی میں رنگین کے طرز زندگی کو اپنایا ، پھر میر فتح علی گردیزی ، صاحب تذکرہ ریختہ گویاں سے یہیں دہلی میں بیعت کی ، اور فیوض حاصل کیے۔ پیر کے انتقال کے بعد حیدرآباد دکن گئے اور واپسی پر گوالیار میں مستقل سکونت اختیار کر لی - اس دوران میر فتح علی گردیزی کی وصیت یاد آئی جس کے مطابق پیر کامل کی تلاش میں بہار پہنچے - دوبار عظیم آباد کا سفر کیا اور شاہ ابوالبرکات اور ان کے صاحبزادے خواجہ ابوالحسین سے فیوض حاصل کیے۔ یہ دونوں روحانی رہنما ایک عرصے تک گوالیار میں بھی مقیم رہے اور میر سید علی کا ان سے ربط و تعلق رہا۔ اسی قیام گوالیار کے دوران غالب سے ان کی مکاتبت بھی رہی - غالباً ان دونوں کے روابط اس وقت سے تھے جب کہ میر سید علی دہلی میں تھے اور ان کا خاندان دہلی میں ممتاز تھا۔

ان ضروری تعارفی تصریحات کے بعد ، اب وطن اور مسکن کے حوالے سے دیوان کے وہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں جو دیوان سے مولوی عبدالقادر رامپوری کی لاتعلقی ، میر سید علی سے تعلق کے حق میں مستحکم داخلی شہادت کا حکم رکھتے ہیں۔

(الف) واسطے اوس کے ہے (عقبیٰ میں) در جنت کشاد
حضرت دہلی میں جو ، یا پاک پٹن میں رہا (ص ۵۴)

(ب) رہتا نہیں ہوش میں کہاں ہوں
آتا ہے خیال جب وطن کا (ص ۷۶)

یہ شعر گو کہ دہلی سے شاعر کے وطنی تعلق پر صریحاً دلالت نہیں کرتا، لیکن ترک وطن کے بعد وطن سے قابل لحاظ دوری پر دلالت کرتا ہے - گوالیار میں رہ کر میر سید علی کے دل میں اپنے وطن دہلی سے دوری کا خیال اتنی شدت سے آ سکتا ہے - مولوی عبدالقادر نے بھی دور دراز کے سفر تو بہت کیے لیکن ترک وطن کرکے جب وہ مرادآباد میں سکونت پذیر ہوئے تو رامپور سے چنداں دور نہ تھے - وہ آخر عمر میں پھر رامپور آ گئے تھے -

(ج) جیسے کہ وطن چھوڑ کے اس شہر میں آئے
کیا کیا کہیں جو آہ کہ مغموم ہوئے ہم

یہ شعر بھی میر سید علی کے قیام گوالیار کی طرف اشارہ کرتا ہے - وہ اور ان کا خاندان دہلی میں اچھے وقت دیکھے ہوئے تھے - گوالیار میں رہ کر وہ اپنے مغموم ہونے کا ذکر کرتے ہیں تو قرین قیاس ہے - لیکن مولوی عبدالقادر نے تو رامپور سے قریب ترین شہر میں قیام اختیار کیا تھا جہاں ان کی سسرال تھی اور وہ مرادآباد کے صدر الصدور رہے تھے - کوئی سبب نہیں کہ رامپور سے مرادآباد ، نزدیکی شہر آ کر مغموم ہوں -

(د) ہیہات چھوٹتا وہ مکان قدم شریف
کیا سیر ہائے رہتی تھی بارہ وفات میں (ص ۲۴۱)

قدم شریف دہلی خاص زیارت گاہوں میں سے ہے ، مرقع دہلی کا آغاز اسی کے ذکر سے شروع ہوتا ہے ، اور ربیع الاول کی رونقوں کا ذکر بھی آتا ہے - میر سید علی کی نوجوانی دہلی میں ایسے ہی مشغلوں میں گزری تھی - مزارات دہلی کی رونقوں میں کیا کچھ رنگینیاں شامل ہوتی تھیں ، ان کا مرقع " مرقع دہلی " میں ملتا ہے - شاعر عہد پیری میں ان رونقوں کا ذکر ملامتیہ کے طریقے پر کر رہا ہے -

(ہ) ٹھہرا شراب بھی کسی دوکان میں نہیں
شہر گوالیار میں مے کا یہ کال ہے (ص ۴۰۱)

ایک اور شعر میں صریحاً شہر کا نام مذکور نہیں ، مگر چونکہ دیوان میں کلام عہد پیری کا ہے ، غالب امکان یہ ہے کہ اشارہ گوالیار کی طرف ہے -

کچھ احتیاج یھاں نہیں ہرگز منیب کی

غمگیں ہمارے شہر میں نائب منیب ہے (ص ۴۴۶)

۵- شخصی حوالوں میں اعزہ و اقرباء کا ذکر بھی بہت کچھ بتا دیتا ہے-

(الف) دیوان کے آخر میں جو قطعات تاریخ ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے:

جب بڑے بھائی سید احمد امیر　　صفت موت سے حیات ہوئے

سر جاں قطع ہوتے ہی غمگیں　　ہے یہ تاریخ "عین ذات ہوئے" (ص ۴۶۹)

مولوی عبدالقادر رامپوری کے کوئی بڑے بھائی نہیں تھے- دیوان غمگین کے دیباچے میں شامل شجرے سے اور وقائع عبدالقادر خانی سے ظاہر ہوتا ہے، وہ خود سب سے بڑے بھائی تھے اور ان کے بعد صرف ایک بھائی مرزا غلام باسط تھے - جب کہ میر سید علی کے احوال میں آتا ہے کہ اپنے والد میر سید محمد کے تیسرے بیٹے تھے- اس طرح بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ قطعہ مذکور میر سید علی غمگین نے اپنے بڑے بھائی کی وفات پر کہا ہے ، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے اس بڑے بھائی کا نام میر سید احمد تھا جو خاندان کے دوسرے ناموں کی رعایت رکھتا ہے یعنی والد میر سید محمد ان کے بڑے بیٹے میر سید احمد ، ان سے تیسرے نمبر پر میر سید علی-

۵- زمرہ شعراء میں استادی شاگردی بھی ایک بڑا حوالہ رہا ہے- غمگین فن شاعری میں سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد تھے ، جیسا کہ متعدد تذکروں میں آیا ہے - دیوان میں جہاں رنگین نے ایک مصرعے کی تضمین کی ہے ، رنگین کا ذکر یوں آتا ہے-

بقول رنگیں ہے یہ اپنی مشورت غمگیں

جو وہ نہ آوے تو میں بھی نہیں بلانے کا

طرز رنگیں کی پیروی میں بھی وہ پیچھے نہیں رہے ہیں- چنانچہ دیوان کی بعض غزلیں اس پر دال ہیں اور جوانی کے رنگین کلام کے نمونے کے طور پر دیوان میں داخل کر دی گئی ہیں-

(الف) صفحہ ۳۰ پر ایک غزل مسلسل برنگ رنگیں آتی ہے-

ہر بت پہ نہ کر دل بخدا یار دوانا

ایسا نہ ہو مشکل ہو تجھے ہوش میں آنا

دن رات بسر ایسے سے کس طرح ہو ہمدم

گر صبح کو کو وعدہ ہے تو پھر شام بہانا

باہر کبھی اس در کے نہ پھر حشر تلک آؤں

اوس شوخ کے گر گھر میں مرا اب کے ہو جانا

وہ یاد مجھے آتی ہیں جب وصل کی باتیں

تب ہجر میں اے ہمدمو ہوتا ہوں دوانا

وہ گاہ لپٹنا وہ گہے بیٹھنا ہٹ کر
وہ چھیڑنا گہہ مجکو وہ گہہ دھوم مچانا

مکی وہ گہے اوس کی لگانی وہ گہے لات
اور اپنا وہ چپ بیٹھے ہوئے پاؤں دبانا

گر خوش ہو تو کہنا کہ مرے پاس ہی پڑ رہ
اور ہونا خفا تو تلے مٹی کے سلانا

اون چوچلوں کا اوس کے جو آتا ہے کبھی دھیان
مشکل مجھے پڑتا ہے بہت جان بچانا

غمگین کی سڑی باتوں پہ مت جائیو کوئی
کہنے کو دوانا ہے مگر ایک ہے دانا

(ب) صفحہ ۱۳۹ پر بھی ایک غزل اسی رنگ کی ہے- دو شعر درج کیے جاتے ہیں-

میں نے چھوڑا نہ ہجر میں بھی تمھیں
وصل میں تم کو کس طرح دوں چھوڑ

وہ کہے ہے کہ پھر میں آؤں گا
مجھے اب تو خدا کے واسطے چھوڑ

(ج) صفحہ ۲۸۶

بے اختیار شب کو میں اوس سے چمٹ گیا
کہتا ہی رہ گیا وہ نہیں رے نہیں نہیں

۶- میر سید علی غمگین نے گوالیار میں واقع اپنے تکیے کا ذکر ایک شعر میں اس طور پر کیا ہے-

ہے لن ترانی و ارنی مثل کوہ طور
تکیے کے اپنے ہیں یہ شجر اور حجر ہمیں (ص ۲۵۸)

۷- ذیل کے شعر کا شخصی حوالہ بھی میر سید علی غمگین کے احوال پر بخوبی صادق آتا ہے ، اور مولوی عبدالقادر غمگین سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا-

دماغ وہ ہی فلک پر ترا ہے اے غمگیں
اگرچہ گردشِ افلاک نے کیا ہے غریب

۸- میر سید علی غمگین نے عظیم آباد کا سفر ۱۲۴۳ھ میں اختیار کیا تھا - شاہ ابوالبرکات دانا پوری

اس زمانے میں گیا میں تھے - یہ وہیں جا پہنچے اور متواتر تین روز تک توجہ حاصل کی- پھر بیمار ہوئے تو مرشد نے انھیں عظیم آباد کو اپنے صاحبزادے خواجہ ابوالحسین کے پاس روانہ کر دیا خواجہ ابوالحسین سے فیض حاصل کرنے کا سلسلہ برسوں کو محیط ہے- ہمارا خیال ہے کہ دیوان میں خواجہ ابوالحسین کے فرزند کی ولادت کا قطعہ جس سے سنہ ۱۲۴۹ھ برآمد ہوتا ہے دراصل خواجہ ابوالحسین کے فرزند کے حق میں ہوگا- کاتب دیوان نے اگرچہ قطعے کے مصرعۂ اولیٰ میں " فرزند خواجہ ابوالحسن "کتابت کیا ہے ، مگر عروضی اوزان میں اس جگہ " فرزند خواجہ ابوالحسین " بھی موزوں قرار پاتا ہے- یہ سنہ ولادت چونکہ خواجہ ابوالحسین سے روحانی تعلق قایم ہونے کے بعد کا (پانچ چھے سال بعد کا) ہے ، اس لیے قابل قبول داخلی شہادت اس قطعہ تاریخ کی صورت میں سامنے آتی ہے-

۹- دیوان میں بکثرت کلام ایسا ہے جو سلوک و تصوف کے رموز و نکات پر مشتمل ہے ، اور میر سید علی غمگین کے ایک شیخ طریقت ہونے کے مقام و مرتبہ سے مناسبت رکھتا ہے - غزلیں کی غزلیں اسی رنگ میں ہیں- کہاں تک بطور ثبوت نقل کیا جائے مگر چند ایک کے حوالے درج کیے جاتے ہیں -

(الف) صفحہ ۲۱۴ پر پانچ اشعار کی ایک متصوفانہ غزل آتی ہے جس کے سب اشعار متصوفانہ ہیں اور ان کے مضامین میں تسلسل ہے - اسے متصوفانہ غزل مسلسل کہہ سکتے ہیں - مطلع یہ ہے-

ہم ہی عابد ہیں ہمیں معبود ہیں　　　ہم ہی قاصد ہمیں مقصود ہیں

(ب) صفحہ ۲۴۳ پر ایک غزل کے مقطع میں بیانِ وحدت پر مبنی غزل کہنے کا ارادہ کرتے ہیں-

لکھ غزل ایک اور اے غمگیں بدل کر قافیہ
شرط ہے پر یہ کہ وحدت ہو بیاں آداب میں

اس کے بعد نو اشعار کی ایک غزل آتی ہے جو تمام تر وحدت کے بیان میں ہے اور مطلع اس کا یہ ہے-

عیب جو جو کچھ عیاں ہیں میکشو مخمور میں
ہیں نہاں وہ واعظا سب خوشہ انگور میں (ص ۲۴۳)

(ج) اس کے فوراً بعد ہی ایک اور غزل چھے اشعار کی تمام تر متصوفانہ رنگ میں ہے لاہوت ، جبروت ، ملکوت ، ناسوت اور غیر مانوس ہاہوت تک اس میں موجود ہیں - مطلع یہ ہے-

علم ہی اپنا نہ تھا تھے جب کہ ہم ہاہوت میں
علم آتے ہی یکایک آ گئے لاہوت میں

(د) ایک متصوفانہ غزل صفحہ ۴۲ پر دس اشعار کی آتی ہے ، خواجہ میر درد کی مشہور متصوفانہ غزل کی زمین میں ہے - مطلع یہ ہے-

غمگیں بطوں ظہور سے یہاں تک بتنگ ہے
اوس کو فنا بقا سے بھی اب آہ ننگ ہے

ان متصوفانہ غزلوں کے علاوہ چند اشعار میں خاص اپنے سلسلہ طریقت سے متعلق اصول و نکات کے حوالے آتے ہیں- میر سید علی غمگین اول میر فتح علی گردیزی سے بیعت ہوئے جنھیں وہ اپنا عم کہتے ہیں (وہ کسی رشتے سے چچا ہوں گے ، میر فتح علی گردیزی حسینی سادات میں تھے اور ان کے اجداد گجرات سے آئے تھے ، جب کہ میر سید علی حسنی سادات میں تھے اور ان کے اجداد برہان پور سے دہلی آئے تھے) میر فتح علی کا سلسلہ مخدوم میر جہاں ، مخدوم شاہ عالم ، سید محمد قنوجی ، شیخ محب اللہ الہ آبادی ، شیخ ابو سعید گنگوہی ، شیخ نظام الدین تھانیسری ، شیخ جلال الدین تھانیسری سے ہوتا ہوا شیخ عبدالقدوس گنگوہی پر پہنچتا ہے اور اوپر پہنچ کر حضرت علیؓ پر منتہی ہوتا ہے- میر سید علی کا دوسرا سلسلہ طریقت شاہ ابوالبرکات اور ان سے اوپر شاہ رکن الدین عشق ، مولانا برہان الدین خدانما ، شاہ فرہاد ، سید دوست محمد ، سید ابوالعلیٰ اکبر آبادی ، میر عبداللہ ، خواجہ یحیی ، خواجہ عبدالحق ، خواجہ عبیداللہ احرار ، مولانا یعقوب چرخی پھر خواجہ بہاء الدین نقشبندی تک پہنچتا ہے ، پھر یہ سلسلہ اوپر حضرت ابوبکر صدیق پر منتہی ہوتا ہے-

ان ضروری تصریحات کے بعد ، اب دیوان سے وہ دو شعر پیش کیے جاتے ہیں جو میر سید علی کے اس دوسرے سلسلے کے رنگ میں ہیں-

ان کے اس سلسلے کے ایک نامور بزرگ میر ابوالعلا اکبرآبادی ہیں جن کے " رسالہ فنای ثلاثہ " کا متن محترم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مرتب کرکے رسالہ تحقیق میں اشاعت کے لیے عنایت فرما چکے ہیں (رسالہ شامل اشاعت ہے) - اس رسالے میں میرابوالعلا نے فنای ثلاثہ یعنی فنای فعلی ، فنای صفاتی اور فنای ذاتی سے بحث کی ہے-

ہمارا خیال ہے کہ میر سید علی غمگین رسالہ فنای ثلاثہ سے واقف ہوں گے ، چنانچہ فنای فعلی کا ذکر اپنے ایک شعر میں یوں کرتے ہیں-

جس کو نہ ہووے حاصل غمگیں فنای فعلی جنت میں جائے گا وہ پھر بے حساب کیونکر
(ص ۱۳۰)

ایک اور شعر میں نقشبندیہ کے اصول ہشت گانہ میں سے ایک یعنی " سفر در وطن " کا

ذکر یوں آتا ہے:

مستغرق ذات جو ہیں عمگیں ہر دم ہے انھیں سفر وطن میں (ص ۲۵۷)

عمگین کے مرشد اول میر فتح علی گردیزی کے سلسلے کے بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا

یہ قول واقعہ معراج کے سلسلے میں مشہور ہے

عمگین نے اس مضمون کو شعری انداز میں یوں ادا کیا ہے:

باہر کہیں اوس در کے نہ پھر حشر تک آؤں
اوس شوخ کے گر گھر میں مرا اب کے ہو جانا (ص ۳۰)

عام غزلوں کے درمیان بکثرت ایسے اشعار بھی آتے ہیں جو تصوف کے مضامین پر مبنی ہیں اور شاعر کے ذوق و رجحان کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے چند اشعار ذیل میں انتخاب کیے جاتے ہیں۔

○ اپنی ہی فکر نفی میں بھولوں ہوں آپ کو
مجکو بھی خوب یاد ہے اثبات کی طرح (ص ۱۰۶)

○ تھا میم جو باطن میں وہ ظاہر ہوا آخر
احمد ہے احد اور احد ہے وہی احمد (ص ۱۰۷)

○ صفات و ذات ہیں عمگین لازم و ملزوم
عبث ہے کثرت و وحدت کی یارگفت شنید (ص ۱۲۰)

○ جب تک مشاہدے میں نہ حاصل ہو تجھ کو ذوق
ہرگز نہیں ولا تری حیرت کا اعتبار (ص ۱۳۲)

○ دیکھ عمگیں غور سے ہر رنگ کو
ٹھہرے بیرنگی کے یہ سب رنگ ہیں (ص ۲۳۲)

○ پہچانتے نہیں ہیں کسی شکل سے ہم آہ
سوسو طرح سے اپنی وہ صورت دکھائیں ہیں (ص ۲۳۲)

○ وحدت وجود چھوڑ دوں کس طرح بولنا
میری تو صرف یہ ہی ہے اک کائنات میں (ص ۲۴۱)

○ ہونے کی آرزو کی نہ کچھ ہم کو آرزو
اور آرزو نہ یہ کہ نہ ہو آرزو ہمیں (ص ۲۶۰)

○ وا اور بند چشم کی عمگیں نہیں ہے قید
ہر چیز کا ہے ایک دروں اور بروں ہمیں (ص ۲۶۱)

○ ہوں سو ہوں کیا کہوں میں کون ہوں کیا ہوں عمگیں

گنج مخفی کا عیاں دیکھ لے اسرار ہوں میں (ص ۲۹۷)

غمگین ملامتیہ کا انداز بھی رکھتے تھے - اس لیے برعکس بھی کہہ جاتے تھے:

○ مت ذکر تم کیا کرو وحدت وجود کا
لگتا بہت برا ہے یہ اب میرے کان کو (ص ۳۰۳)

○ غمگیں تری وحدت کی ہے تقریر عجب گول
پھر کیا ہے تو بتلا کہ نہ بندہ نہ خدا تو (ص ۳۰۶)

○ نہ تو ہندو نہ مسلمان نہ ترسا نہ یہود
میرے مذہب کی حقیقت بخدا مت پوچھو (ص ۳۰۸)

○ پوچھ نہ مولا مرے مذہب سے کچھ
سائیں جی بندہ تو یہ آزاد ہے (ص ۳۸۳)

مگر پھر یہ قول بھی انھی کا ہے:

کوئی نہیں سوائے شریعت کے سالکو!
جو طے ہو ایک رہ میں یہاں اور وہاں کی راہ (ص ۳۲۹)

اب ہمیں تائید مزید کے لیے میر سید علی غمگین کی دوسری تصنیفات کی جستجو کرنی چاہیے- تاکہ ان سے دیوان کی مطابقتیں تلاش کی جائیں-

میر سید علی غمگین کی معلوم و مشہور تصانیف میں دو سب سے نمایاں ہیں:

(۱) مکاشفات الاسرار

(۲) مرآۃ حقیقت

ان دو تصنیفات کے علاوہ ، میر سید علی غمگین کے مرید و خلیفہ سید ہدایت النبیؐ کے مرتب کردہ دو مجموعے ملفوظات غمگین ، (فارسی) اور " مکاتیب غمگین و غالب " (فارسی) بھی قلمی ملتے ہیں - آخرالذکر سے غمگین اور غالب کے باہمی تعلقات پر بخوبی روشنی پڑتی ہے- اب ذیل میں غمگین کی دو تصنیفات مکاشفات الاسرار اور مرآۃ حقیقت کا تعارف پیش کیا جاتا ہے-

○ مکاشفات الاسرار ان کا مجموعہ رباعیات ہے- اس میں اٹھارہ سو کے قریب اردو رباعیات شامل ہیں جو تصوف کے مضامین پر مشتمل ہیں - اس لحاظ سے یہ مجموعہ رباعیات اردو کی متصوفانہ شاعری میں ایک نہایت نمایاں مقام رکھتا ہے- دراصل یہ ایک منظوم رسالہ رشد و ہدایت ہے جو بصورت رباعیات غمگین نے اپنے مسترشدوں کی رہنمائی کے لیے تصنیف کیا ہے-

شروع میں فارسی زبان میں ایک مقدمہ بھی ہے جس میں اپنے حالات اور اپنے مرشدوں اور روحانی سلسلوں کے ذکر کے متعلق تصریحات ہیں - اپنے متعلق صاف لکھا ہے کہ " فقیر مذہب صوفیہ ملامتیہ دارد "- آخر میں قطعہ تاریخ بھی ہے جس سے " مکاشفات الاسرار " کا سنہ (آغاز) تصنیف ۱۲۵۳ ھ نکلتا ہے- مقدمے میں اپنے دیوان اول اور دیوان دوم اور پھر دیوان رباعیات کا ذکر یوں کیا ہے:

" در زماں سابق یک دیوان ریختہ گفتہ بودم ، آن را دور کردم والحال کہ بہ شصت سالگی رسیدہ آنچہ کہ واردات برمن غالب بودند و موافق آنہا دیوان دیگر در حالات و واردات و ذوق و شوق عشق حقیقی و مجازی خود ترتیب دادم و بعضے غزلیات مخصوصہ دیوان سابق درین دیوان لاحق مندرج ساختم و چون دیوان نو باتمام رسید و واردات و غلبات و کیفیات بردلم استیلا داشت خواستم کہ برای برادر دینی عزیز از جان اسد اللہ خان عرف میرزا نوشہ مخلص بہ غالب و اسد کہ درین زمانہ در نظم و نثر نظیر خود ندارند وبرای برادر زادگان سید علی محمد عرف نواب شاہ جی و سید بدرالدین عرف فقیر صاحب و برای فرزندان خود سید عبدالرزاق مشتہر بہ سید میرن علی و میر سید امیر حیدر و مریدان راسخ الاعتقاد اعطاہم اللہ محبتہ ، از ابتدای سلوک حضرات قادریہ و نقشبندیہ تا انتہا در پیرایہ رباعیات کہ بطور رسالہ تصوف باشد ترتیب دہم - "

اس بیان سے حسب ذیل مفید مطلب نکات حاصل ہوتے ہیں:

(الف) اپنے دیوان اول کو انھوں خود دور کر دیا تھا ، اور اس کی صرف چند غزلیں نمونہ کلام سابق کے طور پر دیوان دوم میں داخل کر دی تھیں-

(ب) دیوان دوم ساٹھ سال کی عمر میں گوالیار میں کہا تھا جب کہ ان پر شاہ ابوالبرکات دانا پوری اور ان کے صاحبزادے خواجہ الحسین کے روحانی فیوض و برکات کا غلبہ تھا-

(ج) دیوان دوم کے اتمام کو پہنچنے کے بعد بھی واردات و غلبات و کیفیات دل پر طاری رہیں ، اس لیے دیوان رباعیات موسومہ کاشفات الاسرار مرتب کیا-

(د) ضمناً ، غمگین نے اپنے بیٹے میر سید امیر حیدر کا بھی ذکر کیا ہے- اس نام سے غمگین کے تعلق کا علم ہو جانے کے بعد دیوان غمگین میں شامل اس آخری قطعہ تاریخ کی معنویت بخوبی واضح ہو جاتی ہے-

بوالحسین مظہر برکات حق ۔۔۔ تھی اونھیں نسبت خدا سے اک نئی
از سر بیہات ہاتف نے کہا ۔۔۔ میر حیدر نسبت جذبی گئی

۱۲۶۳ھ

اب غمگین کی ایک اور دستیاب تصنیف مرآۃ حقیقت (اسم تاریخی) کو لیا جاتا ہے جو ۱۲۵۹ھ کی تصنیف ہے۔ اس سے بھی چند مفید مطلب معلومات حاصل ہوتی ہیں:-

(الف) غمگین بیان کرتے ہیں کہ وہ (گوالیار میں) ایک روز مہاراجہ دولت راؤ کے تیار کرائے ہوئے باغ میں اپنے مرشد شاہ ابوالبرکات کے ساتھ بیٹھے تھے - اس نشست میں بشاشت کے ساتھ مرشد نے بشارت دی کہ " عنقریب مثل طوطک گویا خواہی شد "۔

(ب) اس واقعے کے پانچ سال بعد انھوں نے ایک دیوان سات سو غزلوں کا کہہ لیا ، پھر قریب اٹھارہ سو رباعیات پر مشتمل دیوان رباعیات کہا ، چند روز خاموش رہے ، پھر نثر میں کتاب مراۃ حقیقت لکھ ڈالی - اس روداد کو جو غمگین نے مراۃ حقیقت میں بیان کی ہے خود انھی کے الفاظ میں نذر ناظرین کیا جاتا ہے:

" پس بعد پنج سال اسرارہا در دل فقیر جوش آوروند کہ طاقت تحمل نماند ، ناچار یک دیوان ہفت صد غزل گفتم ، بارے قدرے تسکین حاصل شد ، باز اسرارہا در دل پیدا آمدن گرفتند - باز یک دیوان رباعیات قریب یک ہزار ہشت صد رباعی گفتہ شدہ و چند روز خاموش شدم بعد دوسہ سال باز اسرارہا جوش آوردند و دو دوستان من نیز گفتند کہ کسے کتاب بطور نثر باید گفت کہ تا اسرار و مسائل تصوف واضح شوند و بآسانی درفہم آیند و نام آں دوستاں در دیباچہ نوشتہ ام پس این کتاب (مراۃ حقیقت) نوشتہ شد ، این ہمہ از برکت زبان مبارک آنجناب است والا من آنم کہ من دانم۔"

قیام گوالیار کی ان تصنیفی سرگرمیوں کی مفصل روداد سے دیوان دوم کے بارے میں بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ وہ کس ضخامت کا ہو گا۔ غمگین کی صراحت کے مطابق اس میں سات سو غزلیں تھیں - ہمارے پیش نظر جو مطبوعہ عکسی دیوان ہے اس میں سات سو تیس غزلیں موجود ہیں۔ یہ فرق غالباً دیوان سابق کی غزلوں کے داخل کرنے سے آیا ہے جس کے بارے میں خود غمگین کی ایک صراحت مکاشفات الاسرار کے مقدمے میں ملتی ہے اور اسے اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔

اب ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جس دیوان کو جناب محسن ... نے مولوی مرزا عبدالقادر غمگین رامپوری کے دیوان کی حیثیت سے اپنے بزرگوں کی نشانی سمجھ کر چھپوایا

ہے، وہ میر سید علی غمگین کا دیوان دوم ہے جو گوالیار میں اتمام کو پہنچا ہے - اور چونکہ اس سے فوراً بعد کے زمانے میں دیوان رباعیات " مکاشفات الاسرار ، (قطعہ تاریخ کے مطابق سنہ آغاز تصنیف ۱۲۵۳ ھ) کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اس لیے غمگین کے اس دیوان دوم کا سنہ اتمام ۱۲۵۴ ھ ٹھہرتا ہے- گو کہ بعد کے اضافے ، بالخصوص قطعات تاریخ کے اضافے بھی دیوان میں موجود ہیں-

ان اضافوں میں جو دیوان کے آخر میں ملتے ہیں، چھیاسی رباعیات بھی ہیں- ان ۸۶ رباعیات کو مکاشفات الاسرار کی تقریباً اٹھارہ سو رباعیات میں سے ڈھونڈ نکالنا خاصا وقت چاہتا ہے- تاہم کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے اس قدر بھی کافی ہے کہ ، دیوان غمگین کے آخر میں اضافی کلام کے طور پر موجود رباعیات نمبر شمار ۶۳ تا ۶۷ اور ۷۰ مکاشفات الاسرار میں بالترتیب نمبر شمار ۱۲۲۳ ۱۱ ۱۲۲۷ ، ۱۲۲۸ ، ۱۲۳۵ ، ۱۲۳۹ ، اور ۱۳۱۷ پر مل جاتی ہیں- کوشش کی جائے تو مطابقتوں کی ان مثالوں میں اضافہ کیا جا سکتا ہے- باقی ماندہ رباعیات غالباً مکاشفات کے بعد کہی ہوئی رباعیاں ہیں یہ متصوفانہ مضامین تک محدود نہیں بلکہ ان میں خمریات کی مثالیں بھی خاصی تعداد میں مل جاتی ہیں-

---

اب ہم ذیل میں ان امور کو لیتے ہیں ، جن کو جناب محسن برلاس دیوان سے عبدالقادر غمگین کے تعلق کے حق میں دلیل کے طور پر اپنے مقدمے میں لائے ہیں-

وہ مولانا عرشی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ " ان کا (مولوی عبدالقادر رامپوری کا) یہ دیوان ہے ، جیسا کہ رباعیات فارسی جو دیوان کے آخر میں شامل ہیں کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے-" غالباً جناب محسن سے نقل قول میں تسامح ہوا ہے ، یا پھر مولانا عرشی ہی کو تسامح ہوا ہے- رباعیات فارسی دیوان کے آخر میں جو کچھ ہیں صرف چار ہیں اور وہ بھی رباعیات تاریخی ہیں یعنی مادہ تاریخ نظم کرنے کے لیے کہی ہیں- ان میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے دیوان کے مصنف مولوی عبدالقادر غمگین قرار پائیں-

ان چار رباعیات فارسی کے مصرعہا سے اولیٰ درج کیے جاتے ہیں:

۱- چوں صاحب میر خاں اخی اشفق
۲- چوں سید اسد علی از اقطاب دین
۳- بی گو چو کرد زیں جہاں شرم حجاب
۴- بی زتو بہ رفت چوں در جنت

ان کے علاوہ چند قطعات تاریخ بھی فارسی میں ہیں اور ان میں بھی کوئی قرینہ ایسا

نہیں کہ اسے مولوی عبدالقادر غمگیں کے صاحب دیوان ہونے کی دلیل مانا جائے۔ غرض کہ مولانا عرشی سے جناب محسن نے جو قول نقل کیا ہے کسی طرح قابل قبول نہیں۔

ایسی ہی ایک اور بے بنیاد دلیل خود جناب محسن مولوی عبدالقادر کے صاحب دیوان ہونے کے حق میں اپنے پیش لفظ میں لائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"(راقم نے) دیوان کو دیکھا اور اس کے کچھ حصے پڑھے اس میں ایک رباعی دیکھی جو مولوی مرزا عبدالقادر صاحب نے اپنی بہن امۃ الفاطمہ کے غم میں کہی تھی جن کا انتقال ہو چکا تھا اور مولانا جمال الدین لاہوری (مقیم رامپور) کے فرزند مولوی فخرالدین صاحب سے منسوب تھیں۔"

اس کی حقیقت یہ ہے کہ دیوان کے آخر میں ایک قطعہ تاریخ موجود ہے جو " تاریخ ہمشیرہ صاحبہ " کے عنوان سے آتا ہے۔ اور وہ قطعہ تاریخ یہ ہے:

گشت چوں آں عزیزہ را افسوس
مرض بے تمیز ذات الجنب
ہاتفم گفتہ از سر عبرت
گشت تاریخ نیز ذات الجنب
۱۲۵۷ھ

جناب محسن اس کو رباعی کہتے ہیں حالانکہ یہ رباعی نہیں قطعہ ہے۔ قطعے کے عنوان میں یا قطعے میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں کہ اسے مولوی عبدالقادر رامپوری کی ہمشیرہ سے منسوب کیا جائے۔ یہ درست ہے کہ مولوی عبدالقادر کی ایک بہن تھیں جن کا نام امۃ الفاطمہ تھا۔ لیکن قطعہ تاریخ کا عنوان ان کے نام کی صراحت سے خالی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جناب محسن سے کسی "ہمشیرہ صاحبہ" کو مولوی عبدالقادر غمگین کی بہن امۃ الفاطمہ سمجھ لینے میں تسامح ہوا ہے۔

جناب محسن نے اپنے مقدمے کے آخر میں ۲۹ شعر اس صراحت کے ساتھ نقل کیے ہیں " راقم نے اپنے بڑے چچا مرزا محمد احمد مرحوم کی بیاض میں مرزا عبدالقادر غمگین کے اردو اور فارسی کے کچھ اشعار لکھے ہوئے دیکھے ہیں جن میں چند اشعار ذیل میں درج کیے دیتا ہوں جس سے ان کی قادرالکلامی اور پختہ فکر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔"

یہاں بھی جناب محسن کو تسامح ہوا ہے اور وہ غمگین تخلص کے ہر شاعر کے کلام کو جو بیاض میں منقول ہوا مولوی عبدالقادر غمگین کا کلام سمجھ بیٹھے ہیں۔ بیاض کے ان ۳۹ منقول اشعار میں سے صرف آخر کے سات اردو اشعار ایسے ہیں جو مطبوعہ دیوان غمگین کی غزلوں میں شامل ہیں۔ اس سے ظاہر ہے میر سید علی غمگین کا کچھ کلام (سات اشعار کے بقدر) بیاض میں ضرور نقل ہوا ہے۔ جناب محسن کے بچا کی اس بیاض کو تلاش کیا جانا چاہیے - بغور مطالعے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ منقول اشعار میں کس غمگین کا کون سا کلام ہے۔

آخر میں معذرت پیش کی جاتی ہے کہ اس مضمون کو صرف اس سوال کے جواب تک محدود رکھا گیا ہے کہ حال ہی میں لاہور سے طبع ہونے والا " دیوان غمگین " کس غمگین کا ہے ؟ اور خود دیوان غمگین کا ایک مفصل مطالعہ پیش نہیں کیا گیا ہے ، جیسا کہ اس کا حق تھا - دیوان کے مختصات میں چند نہایت قابل ذکر اور قابل توجہ ہیں - غالب کو غمگین سے جو عقیدت تھی وہ " مکاتیب غمگین و غالب " سے بخوبی ظاہر ہے - وہ غمگین کی صرف روحانی عظمت ہی نہیں ادبی عظمت کے بھی قائل تھے۔ دیوان میں خمریات پر مبنی کلام کا ایک قابل لحاظ حصہ ہے - خیال تھا کہ اردو خمریات میں جدید شیشہ آلات بوتل اور گلاس کا ذکر اولاً ریاض اور حسرت سے چلا ہے - لیکن یہ تو پہلے ہی دیوان غمگین کی بدولت اردو شاعری میں آ چکا تھا۔ خیالی غزل بھی غمگیں کی ندرت خیال کی آئینہ دار ہے - وہ محبوب کے تصور میں مسلسل مضامین غزل میں ادا کرنے کو خیالی غزل کا نام دیتے ہیں۔ صفحہ ۱۹۵ پر ایسی ہی ایک خیالی غزل آتی ہے جس کا مقطع یہ ہے :

اک غزل غمگیں خیالی کیجیے تصنیف اور
بعد مدت تم پہ فرمائش یہ فرماتے ہیں ہم

پھر وہ ایک نہیں دو مزید خیالی غزلیں پیش کرتے ہیں جن کے مطلعے یہ ہیں:

○ اوس کی صورت کا تصور دل میں جب لاتے ہیں ہم
خود بخود اپنے سے ہمدم آپ گھبراتے ہیں ہم

○ دھیان اس دن کا اگر دل میں کبھی لاتے ہیں ہم
پھر خدا جانے کہاں جاتے ہیں اور آتے ہیں ہم

میر سید علی غمگین دہلی کے ایک نامور خاندان کے چشم و چراغ تھے اور فن شاعری میں سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد - اس لحاظ سے دیوان غمگین کی زبان بھی قابل مطالعہ ہے۔ ان پہلوؤں سے دیوان غمگین کا ایک مفصل مطالعہ آئندہ کے لیے اٹھا رکھا جاتا ہے۔

پس نوشت:

○ اس مضمون کی مشینی کتابت ہو چکی تھی کہ قومی زبان کراچی بابت جولائی ۱۹۷۳ء کی قسط "تاریخ مسعود" مؤلفہ افسر امروہوی میں سعادت یار خاں رنگیں کی تاریخ وفات کا قطعہ ملا جو مؤلف نے دیوان عمگین قلمی سے اخذ کرکے شامل کیا ہے۔ قطعہ مع حوالہ یہ ہے (یہ مطبوعہ دیوان عمگین میں شامل نہیں):

" جب استاد رنگیں جہاں سے گئے   تو اک یادگاری رہی ریختی
خرد نے کہا یہ ہی تاریخ ہے   کہ ساتھ ان کے عمگیں گئی ریختی
(دیوان عمگین قلمی ص ۳۰۰)"

اس سے ظاہر ہوا کہ دیوان عمگین کا کم سے کم ایک مخطوطہ اور بھی ہے جو افسر امروہوی مرحوم کی نظر سے گذرا ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ اور مخطوطات بھی اس دیوان کے دستیاب ہوں۔ انھیں تلاش کرکے اس دیوان کا تنقیدی متن تیار کیا جانا چاہیے۔

○ افسر امروہوی نے "تاریخ مسعود" کی ایک اور قسط (قومی زبان کراچی بابت اکتوبر ۱۹۷۳ء) میں سید علی عمگین دہلوی کی وفات کا قطعہ بھی درج کیا ہے جو عمگین کے خلیفہ، سید ہدایت اللہ کا کہا ہوا ہے، قطعہ یہ ہے:

فرزند حضرت مصطفیٰ دلبند حضرت مرتضیٰ
سید علی شیخ زماں آں مقتدای سالکاں
چوں از صفات ظاہری در ذات مطلق محو شد
یعنی نہاں شد زیں جہاں آں چشمہ فیض جہاں
بس خواستم از فرق جاں تاریخ سال رحلتش
ناگاہ آمد در "دلم" خلوت گزین لامکاں "

۱۲۹۸ = ۱۲۹۵ + ۳